السید حسن الامین - بیروت -
ترجمہ : پروفیسر شاہ مقصود عالم

علی الجبیلی

ایک گمنام عرب سیّاح اور اس کا منظوم سفرنامہ

سفرناموں نے مجموعی طور پر ادب کے سرمایہ میں کافی اضافہ کیا ہے اور اس کا اکثر و بیشتر حصّہ اب تک محفوظ ہے ۔ عرب میں ایسے کئی مشہور سیاح گزرے ہیں جنہوں نے اپنے خیالات کو تحریر اور اپنے مشاہدات کو مرتب کیا اور موجودہ زمانے میں ہمیں ان گزرے ہوئے زمانوں کی زندگی کی واضح تصاویر دکھائیں جنھیں دیکھنے اور جن کی تفاصیل جاننے کی ہمیں سخت ضرورت ہے ۔

باوجودیکہ دنیائے عرب میں سے ایک کثیر تعداد نے سیاحت کی اور سفرنامے مرتب کیے مگر ان میں سے کوئی بھی سیاح ابنِ جُبیر اور ابن بطوطہ کی شہرت کو نہ پا سکا اور یہ دونوں عرب سیاحوں کے لیے علامت بن گئے ۔ کثرتِ سفر اور گردشِ ممالک کے سلسلے میں ان کا ہی ذکر کیا جاتا ہے ۔ بے شک ان دونوں میں دوسرا سیاح اپنے سفرناموں کی طوالت و کثرت اور دورانِ سیاحت پیش آنے والے عجیب و غریب واقعات کے بیان کی بنا پر زیادہ مشہور رہے لیکن مورخین اور محققین کی نگاہ میں پہلے سیاح کے سفرنامے کی قدر و قیمت زیادہ ہے ۔ کیونکہ یہ ہماری قدیم تاریخ کی مستند دستاویزات میں سے ایک تاریخی دستاویز ہے اور یہ اہمیت چند عوامل کی بنا پر ہے ، جن میں سے ایک یہ ہے کہ جس زمانے میں یہ سیاحت کی گئی اس زمانے میں امتِ مسلمہ کی تاریخ کے بعض انتہائی خطرناک واقعات رونما ہو رہے تھے ۔ میری مراد صلیبی جنگوں کے زمانے سے ہے جبکہ شام کے کچھ علاقے پر صلیبیوں کا قبضہ ہو گیا تھا اور وہاں ان کی حکومت قائم ہو گئی تھی ۔ دیگر سیاحوں کی مانند ابنِ جُبیر بھی ان حالات میں اس علاقے میں رہنے اور لمبے عرصے تک یہاں قیام کرنے پر مجبور تھا ، جس کے طویل اور مختصر ہونے کا تعین قافلوں کی آمد و رفت پر منحصر تھا - ان حالات میں اس نے جو کچھ دیکھا اور جو

زندگی بسر کی اسے ہمارے لیے تحریر کر دیا اور اگر وہ نہ لکھتا تو ان واقعات کا علم ہم تک نہ پہنچتا۔

شاید اس کے سفری واقعات میں سے سب سے عظیم حصّہ وہ ہے جہاں وہ ہمارے لیے وہاں کے مقامی شہروں اور سبزہ زاروں میں رہنے والے لوگوں کے ساتھ صلیبیوں کے روزمرہ سلوک کے بارے میں اپنی ایسی مسموعات اور مشاہدات بیان کرتا ہے، جنھیں نہ کسی عرب مورخ نے تحریر کیا ہے اور نہ ہی یورپی مورخ نے۔ ان سے ہم نے بے بہا فوائد حاصل کیے ہیں اور اپنی معلومات کی بنیاد پر ہم نے متعدد تاریخی مسائل کا حل تلاش کیا ہے، جنھیں ان کی مدد کے بغیر ہم حل نہ کر سکتے تھے۔ یہاں ان امور کے بیان کا موقع نہیں۔

گمنام سیّاح

معروف سیاحوں میں سے ابنِ جُبیر اور ابنِ بطوطہ سب سے زیادہ مشہور ہیں۔ ان دونوں کے علاوہ دیگر کئی سیاحوں نے بھی ان کی طرح اپنے اپنے سفرنامے مرتب کیے لیکن وہ ان جیسی شہرت نہ پا سکے۔ ممکن ہے کوئی ایسا بھی ہو جس کے سفرنامہ کا نمبر اپنی طوالت اور سفروں کی تعداد کے لحاظ سے ابنِ بطوطہ کے بعد آتا ہو، لیکن وہ لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل رہا ہو اور اس کا سفر اور سفرنامہ غیر معروف ہی رہ گئے ہوں اور ہم نے نایاب کتب میں سے کسی میں اس کے بارے میں چند ایسے منتشر کلمات کے علاوہ اور کچھ نہ پڑھا ہو جن سے صرف یہ اشارہ ملتا ہو کہ اس شخص نے سیاحت کی اور اپنا سفرنامہ مرتب کیا۔ اسی طرح کی ایک شخصیت ہے جس کا صاحب "السلافۃ" نے ذکر کیا ہے اور اس کے حالاتِ زندگی یوں بیان کیے ہیں:

"اس نے کرۂ ارض کی سیاحت کی اور اس کے طول و عرض میں سفر کیا، وہ حجاز، یمن، ہندوستان، عجم اور عراق گیا اور اس بارے میں اپنا سفرنامہ بھی نظم کیا جس میں اپنی نظم کے عمدہ اور نفیس بدائع استعمال کیے ہیں۔"

پھر اس نے اس کے سفرنامے کے کچھ اشعار نقل کیے جن سے کسی خاص بات کی جانب رہنمائی نہیں ملتی۔ اسی کے بارے میں صاحب "امل الامل" نے یوں تحریر کیا ہے:

"اس کا پچیس سو اشعار کا عمدہ منظوم سفرنامہ ہے۔"

اس سفرنامے کو مرتب کرنے والا علی الجبیلی الملقب بہ نجیب الدین ہے۔ اس نے جبل عامل میں نشوونما

پائی اور وہیں تعلیم حاصل کی۔ جیسا کہ اس زمانے کا دستور تھا اس نے علم و ادب کی تحصیل کی۔ اسے شعر سے بہت رغبت تھی پس اس نے مختلف موضوعات پر شعر کہے اور یہی رغبت اس کے سفر نامے کو نظم کرنے کا باعث ہوئی۔ پھر اسے سفر درپیش ہوا اور جیسا کہ اس زمانے میں دستور تھا اس نے ایک چکر لگایا۔ صاحب "السلافۃ" نے بیان کیا ہے :

"اس نے زمین کی سیاحت کی اور اس کے طول و عرض کا ایک چکر لگایا۔"

سفر نامے کے اشعار سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کے سفر کا باعث تنگدستی و مفلسی تھی اور یہ رزق کی تلاش میں آفاق میں سرگرداں ہوا۔

سفر نامہ کی دریافت

جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے یہ سفر نامہ مفقود تھا اور سوائے اس کے تذکرہ کے اس کے وجود کے بارے میں کسی کو مزید علم نہ تھا۔ ١٣٦٢ھ میں ایک محقق اس سفر نامہ کے راز سے مطلع ہوا اور جبل عامل کے ایک قصبہ میں جب وہ مخطوطات کو کرید رہا تھا تو اس کو یہ گمشدہ منظوم سفر نامہ مل گیا۔ یہ اس سفر نامہ کا واحد نسخہ تھا اور اس کی دریافت اس کے نظم ہونے کے ٣٢٠ سال کے بعد اور اس کی کتابت کے ٢٧٠ سال کے بعد ہوئی۔ کیونکہ یہ سفر نامہ ١٠٤١ھ میں نظم کیا گیا تھا اور ١٠٩٢ھ میں محمد بن مجید العنقانی نے اس کو اصل نسخہ سے نقل کیا تھا۔ پھر اصل نسخہ ضائع ہوگیا اور کتابت شدہ نقل بھی ضائع ہوگئی۔ ٢٩ سال قبل یہ سفر نامہ دریافت تو ہوا مگر مکمل صورت میں نہیں ملا، کیونکہ جن لوگوں نے جبیلی کے حالاتِ زندگی لکھے ہیں انھوں نے بیان کیا ہے کہ اس کے دو ہزار پانچ سو اشعار تھے لیکن نو دریافت شدہ اشعار ایک ہزار پانچ سو سے زائد نہیں ہیں۔ یعنی ایک ہزار اشعار ضائع ہوگئے۔ مزید برآں یہ سفر نامہ اس حالت میں دریافت ہوا کہ اس کا انکشاف کرنے والا اس کے بارے میں کہتا ہے :

"زمانے نے اس میں خیانت کی ہے۔ چوہوں، دیمک اور چھت سے پانی کے ٹپکنے نے اسے کافی نقصان پہنچایا۔"

اس کا ابتدائی حصہ اور کچھ درمیانی حصہ متاثر ہوا۔ اس کے نظم کرنے والے کا تعارف ممکن نہ ہوتا اگر اس میں وہ شعر نہ ہوتا جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے نظم کرنے والے کا نام نجیب الدین ہے۔ اسی سے اس کی اور اس کے مصنف کی حقیقت کی جانب رہنمائی ممکن ہوتی ہے جس طرح اس کے

آخری شعر سے مکمل یقین ہوجاتا ہے، جس میں اس نے اپنی نظم کی تکمیل کی تاریخ نکالی ہے:

وقد مضت لهجرة أعوام   وجمعها تاريخه ختام

[یہ سفر سنِ ہجری کے حساب سے ہوا اور اس کی جمع و تدوین کی تاریخ "ختام" ہے]

ابجد کے حساب سے ختام سے ۱۰۶۱ھ کا سن برآمد ہوتا ہے۔

اس سفر نامے کی سب سے بڑی خامی یہ ہے کہ اس کے مصنف نے اپنا سفر نامہ مرتب کرنے کے سلسلے میں شعر کو ذریعۂ اظہار کے طور پر اختیار کیا ہے اور اس کے علی الرغم نثر کو اختیار نہیں کیا۔ شعر میں ظرافت اور ملاحت ممکن ہوسکتی ہے جو کہ نثر میں پیدا کرنی آسان نہیں، مگر شعر میں مطالب کو مکمل طور پر ادا نہیں کیا جاسکتا جس طرح کہ نثر انھیں ادا کرسکتی ہے اور نہ ہی شاعر انھیں وضاحت سے بیان کرسکتا ہے۔ پس اس طرح اس نے اس سفر نامے کو ہمارے لیے، خود اپنے لیے، اور تاریخ کے لیے بےکار کردیا۔ درحقیقت اس نے نثر کو چھوڑ کے اور شعر کو اختیار کرکے بہت کچھ ضائع کردیا۔ جن جن علاقوں میں وہ گیا، جن راہوں پر سے گزرا، جن بستیوں میں ٹھہرا اور ان میں جو واقعات دیکھے، ان سب چیزوں کے بیان کے لیے دفتر چاہئیں۔ مگر یہ ہم تک شعر کے سانچے میں ڈھل کر ایجاز و اختصار کے ساتھ پہنچا۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس ایجاز بیانی کے باوجود اس سفرنامے میں تاریخ، رسوم و رواج، عاداتِ قبائل، بری و بحری راستوں، ذرائع حمل و نقل اور ادبی زندگی کے بارے میں معلوماتی عجائبات ہیں جو دیگر سفر ناموں میں دستیاب نہیں ہیں۔ اور اسی بات نے اسے ورثۂ انسانی کی دستاویزات میں سے ایک اہم دستاویز بنادیا ہے اور اس کے مصنف کو سیاحوں اور سیاحت ناموں کی تاریخ میں زندۂ جاوید کردیا ہے۔

عجیب بات ہے کہ اس سیاح نے یہ سفر نامہ تحریر کرنے کے لیے نثر کی بجائے شعر کو اختیار کرنے پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ وہ گفتگو میں ایجاز برتنے کے لیے مضطرب تھا۔ اس لیے اس نے قاری کی سہولت کے لیے اور اس کی آزردگی کے خوف سے عمداً ایجاز بالائے ایجاز برتا، جیسا کہ اس نے خود بیان کیا ہے۔

معتمدين الاختصار فيها   كيلا يمل الطول ناظريها

[اس میں اختصار پر تکیہ کیا گیا ہے تاکہ قارئین کو اس کی طوالت آزردہ خاطر نہ کرے]

جس کو اپنی گفتگو کی طوالت سے قاری کے ملال کا خوف لاحق ہوجائے، وہ اس سے یہ

سمجھ کر پرہیز کرتا ہے کہ وہ قاری پر احسان کر رہا ہے اور اس کے ملال کو رفع کر رہا ہے۔ اسی چیز نے اسے بھی قاری کی ناراضی کا خوف دلایا نتیجۃً اس نے قاری کی ناراضی سے بچنے کے لیے واقعات میں اختصار کی راہ اختیار کی لیکن اس اختصار سے قاری کی طبیعت تشنہ رہ جاتی ہے۔

سفر نامے سے حاصل شدہ معلومات

سفر نامے کا ابتدائی حصہ۔ جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے مفقود ہے۔ موجودہ نسخہ کے آغاز میں سفر کا حال یمن کے ایک ساحلی مقام "مخا" میں اس کے ایک سالہ قیام کی تکمیل کے بعد بحری سفر سے شروع ہوتا ہے۔ اس کا شعر ہے:

وبعد عام فی المخا رکبنا ثامن عشر صفر و رحبنا

[مخا میں ایک سال قیام کرنے کے بعد ہم ۱۸ صفر کو کشتی پر سوار ہو گئے اور سفر کی چکی چلا دی]

اس سفر نامے سے ہمیں یہ اہم معلومات حاصل ہوتی ہیں:

۱۔ اس دور میں اہل چین کے ہاں اسلامی حج کا رواج تھا۔ اور چینی مسلمان مکہ تک بہت زیادہ فاصلہ اور راستے میں ہلاکتوں، رکاوٹوں، سمندروں، صحراؤں اور تکلیف دہ مصیبتوں اور مشقتوں کا سامنا ہونے کے باوجود اسے بہت اہم سمجھتے تھے اور مکہ کو حاجیوں کا ایک وفد بھیجا کرتے تھے۔ ان کا راستہ بحری ہوتا تھا جس میں وہ مسقط سے گزرتے تھے اور معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہر دوسری تیسری بندرگاہ پر کشتی بدل لیتے تھے۔ سفر نامے کے اشعار سے ظاہر ہوتا ہے کہ جس کشتی میں وہ سفر کر رہا تھا اس میں چینی اور عمانی حجاج بھی سفر کر رہے تھے۔ اس کشتی کے مالک کا نام اس نے ابن عادی بتایا ہے، جو کہ جزیرہ نمائے عرب کے جنوبی علاقے کے حکام میں سے تھا۔ یا غالباً مسقط و عمان کا حاکم تھا۔

والمرکب المذکور لابن عادی وھو امیر جملۃ البلاد

قد بالغ المذکور بالوصیۃ لی لھم وھم لہ رعیۃ

[مذکورہ کشتی ابن عادی کی تھی جو کہ جملہ علاقوں کا حاکم تھا۔ اس نے ملاحوں کو میری سہولت کے لیے احکام دے کر بھیجا۔ اور یہ ملاح اس کی رعایا تھے]

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس زمانے میں بحری ذرائع نقل وحمل حکام کی ملکیت میں تھے اور ان پر ان کی اجارہ داری تھی۔ اس کشتی میں سفر کرنے والے عمانی خارجی فرقہ کے پیرو تھے۔

اذھم بقایا النھر وان سکنوا — عمان فیھا استوطنوا و قطنوا

(وہ لوگ نہروان کے باقی بچے ہوتے تھے جنھوں نے عمان میں سکونت اختیار کر لی اور اسے وطن بنا لیا تھا)

ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ان چینی حجاج میں ایک عالم تھا جو عربی زبان پر عبور رکھتا تھا۔ وہ خوارج کے سب وشتم کے مظاہرے سے بہت نالاں تھا۔ انھوں نے اسے اپنے عقائد کے بارے میں ایک قصیدے کے متعلق بھی بتایا اور اسے اس کا ایک نسخہ دیا جو تمام کا تمام سب وشتم سے بھرپور تھا۔ اس کے بعد اسے اس سیاح کے علاوہ اور کوئی نہ ملا جس سے وہ اپنا دکھ بیان کرتا۔ ملاح نے اسے ان لوگوں کے ساتھ مصاحبت رکھنے پر ملامت بھی کی اور اس کی معروضات سن کر اس چینی عالم نے اس سے معذرت خواہی کی۔

بان فرض الحج لما وجبا — ولا احد قط سواکا مرکبا

(جب مجھ پر فریضہ حج واجب ہوا تو مجھے اس کے علاوہ اور کوئی کشتی نہ ملی)

سمندر میں ان کا "مخا" سے "شحر" تک کا سفر ڈیڑھ ماہ جاری رہا:

فلم نزل فی البحر نسری شھرا — ونصف شھر و دخلنا الشحرا

بعد بلاء و عناء و قلق — وحالۃ اشکل حال الغرق

(ہم نے سمندر میں ڈیڑھ ماہ تک سفر جاری رکھا اور بڑی مصیبت وتکلیف اور پریشانی کے بعد شحر پہنچ گئے اس وقت ہماری حالت انتہائی ناگفتہ بہ تھی)

۲- اس زمانے میں ہندوستان کے دکنی حاکموں اور عرب کے یمنی حاکموں کے درمیان تعلقات وروابط موجود تھے۔ ان کے درمیان مراسلت عربی زبان میں ہوتی تھی جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ دکنی فرمانرواؤں پر اس زبان کا اثر تھا۔ ان دنوں اس زبان کی نشر واشاعت سرکاری زبان کی طرح ہوتی تھی۔ یہاں جس سے اس سیاح کا تعلق پیدا ہوتا ہے وہ بادشاہ یمن عمر بن بدر ہے۔ بادشاہ نے اسے ایک مکتوب دکھایا جو اس کے پاس سلطانِ دکن کی جانب سے آیا تھا اور اس سے کہا کہ وہ اس مکتوب کا جواب لکھے۔

وکان قد جاء کتاب للیمن   الیہ من بعض سلاطین دکن

وبعد یوم احضر الکتابا   وقال لی نبغی لذا جوابا

(شاہ یمن کو کسی سلطان دکن کا مکتوب پہنچا اگلے روز اس نے یہ مکتوب دکھایا اور کہا کہ ہمیں اس کا جواب تحریر کرنا چاہیے)

۳ - اس سے اس دَور کے حکام کے ذہنی و ثقافتی ارتقا کا پتہ چلتا ہے - بادشاہ عمر بن بدر کا خیال تھا کہ جس علم کی تدریس اہم ہے وہ صرف فقہ ہے - بقیہ دیگر علوم کا کوئی فائدہ نہیں لیکن سیاح کو اس بارے میں اس سے اختلاف تھا:

فقلت کم مسئلة شرعية   مدارها القواعد النحوية

وهكذا ايضًا العلوم الباقية   عن التباس الحال فيها واقيه

[میں نے کہا کہ جتنے بھی شرعی مسائل ہیں ان کی روشنائی نحوی قواعد ہیں اور اسی طرح باقی علوم کا بھی یہی حال ہے]

۴ - اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس زمانے میں مختلف ممالک کے درمیان ڈاک کا نظام موجود تھا، اور جنوبی یمن سے ملک شام کو خطوط ارسال کرنا ممکن تھا - اس معاملے کو اس سفرنامہ میں توجہ اور تحقیق کے ساتھ آشکار کیا گیا ہے - سیاح نے صراحت کی ہے کہ وہاں پہ بدَورانِ قیام اس نے ایک خط شام بھیجا تو یہ خط کس طرح پہنچا - وہ کہتا ہے:

وفی خلال مدة المقام   وجهت مکتوبا لنحو الشام

اذکر فیه بعض وصف الحال   وما لقیناه من الاهوال

[اپنی مدتِ قیام کے دَوران میں نے ایک مکتوب شام بھیجا جس میں مَیں نے اپنے حالات بیان کیے تھے اور پیش آمدہ پُرخطر واقعات تحریر کیے تھے]

۵ - اس سفرنامے میں یمن میں بھڑکتی ہوئی خانہ جنگی کی آگ کے بارے میں بھی اشارے ملتے ہیں - ایسے لوگوں میں بھی شمشیر زنی ہو رہی تھی جو کہ ایک دوسرے سے خونی رشتے میں منسلک تھے - شاہ عمر اپنی بیوی کے بھائی سے جنگ میں مصروف تھا جو کسی اعلیٰ مفاد کے لیے نہیں بلکہ صرف غلبہ و اقتدار کے لیے تھی -

لانہ کان نائیا عن بلدہ   مسافرا فی حرب خال ولدہ

[شاہ عمر اپنے صدر مقام سے دُور تھا کیونکہ وہ اپنے بیٹے کے خالو کے ساتھ جنگ کے سلسلے میں حالتِ سفر میں تھا]

۶۔ سمندری سفر میں ایک طریقہ بڑا عجیب ہوتا تھا جو ذہن پہ بڑا عجیب اثر چھوڑتا ہے۔ آج کل تو یہ طریقہ ہے کہ جب کوئی خطرہ درپیش ہو تو اسٹیمر کا ملاح سب سے آخر میں سٹیمر کو چھوڑتا ہے۔ لیکن وہاں کے بحری سفر کا رواج یہ تھا کہ جب کشتی کے ناخدا کو یہ احساس ہوتا کہ سمندر اس کی کشتی کے موافق نہیں رہا تو وہ اسے چھوڑ کر اکیلا ہی چھوٹی ڈونگی میں بیٹھ کر خشکی کی جانب بھاگ نکلتا تھا۔ اس کے علاوہ ایک بات کی جانب ہماری نظر التفات کرتی ہے، وہ اس سیاح کا ملاح کو "حاکم المرکب" کا لقب دینا ہے۔ اس نے یہ لقب کئی بار استعمال کیا ہے اور یہ لفظ آج کل کی معروف اصطلاح کے مطابق ہے:

واخبروا عن شرح حال الحاکم   وبعض مالاقی من العظائم
من رکب القارب فی جماعہ   من بعض من دان لہ بالطاعہ

{انھوں نے حاکم کے حالات کے بارے میں تفصیل سے بتایا اور جو بڑے بڑے مصائب انھیں پیش آئے جب وہ ملاح ان لوگوں کے ساتھ ڈونگی میں بیٹھ کر بھاگ گیا جنھوں نے اس کی ذلت آمیز غلامی قبول کی}

۷۔ کشتی میں خوارج سے ملاقات تکلیف دہ مذہبی تعصبات پر دلالت کرتی ہے۔ لیکن "ذابول" کے ایرانی شہر میں معاملہ اس کے برعکس تھا۔ وہاں مذہبی اُلفت موجود تھی جس نے سیاح کو حیران و پریشان کر دیا۔ اس کے تعجب کی انتہا نہ رہی جب وہ نماز کے وقت مسجد میں گیا تو اس نے سُنی اور شیعی مسلمانوں کو مسجد میں محبت و خلوص کے ساتھ نماز میں شریک پایا۔

ما بینہم من منکر علی احد   وکلہم ما قد اعتمد
فقلت فی نفسی ھذا اعجب   من کل ما شاھدتہ واغرب

{ان کے درمیان کسی کے لیے کوئی نفرت نہ تھی اور سب کے مابین باہمی اعتماد کی فضا تھی۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ اپنے تمام مشاہدات میں یہ سب سے زیادہ عجیب و غریب واقعہ ہے}

سیاح بیان کرتا ہے :

وثانی القعدۃ انشأنا السفر   لحیدر آباد مطایانا البقر

[ذی القعدہ کی دوسری تاریخ کو ہم نے حیدر آباد کی جانب سفر کا آغاز کیا اور ہماری سواری بیل تھے]

اب وہ جنوبی ہندوستان میں حیدر آباد کی جانب جانے والی راہ پر گامزن ہوا ہے۔ یہاں کا ذریعۂ نقل و حمل بیل ہیں جو مسافروں کی سواری کے کام آتے ہیں۔ والیٔ بیجاپور عادل شاہ کے پایۂ تخت سے چل کر وہ ایک شہر میں پہنچا جس کے نام کا تعین ہمارے لیے ممکن نہیں ہو سکا۔ یہاں اس نے جنگی تیاریوں کا مشاہدہ کیا کیونکہ احمد آباد کے مغلوں کے ہاتھوں زوال کی خبریں آئی تھیں اور اب وہ اس شہر کی جانب متوجہ تھے :

والناس و قیل وقال و فکر   والغربا من ذالک فی ای ضجر

کلہم فی شاغل و شغل   للخوف من ھجوم جیش المغل

[وہاں کے لوگ فکر و پریشانی میں مبتلا تھے اور غربا بھی بے قرار تھے۔ ہر کوئی مغلوں کے لشکر کے متوقع حملہ سے خوفزدہ تھا]

ظاہر ہے کہ سیاح وہاں اپنے قیام کے دوران بخیریت ہی رہا لیکن اس کے دل پہ خوف کا سایہ تھا :

فمذ اتاح اللہ للناس الھرب   لما تأخر عنھم خوف العطب

غدوت جو بعد الطماعی الاول   سلامتی مما اخافہ القفل

[جب تک اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے لیے راہِ فرار مہیا نہ کر دی ان کے دل سے ہلاکت کا خوف دور نہ ہوا۔ جن باتوں سے قافلے خوفزدہ ہیں ان سے مامون رہنے کی اولین خواہشات کے بعد میں صبح کو روانہ ہو گیا]

۹ - اگر ہم ان دنوں بحری سفر میں پیش آنے والی ہولناکیوں کا تصور کرنا چاہیں تو دو اشعار کا مطالعہ ہی کافی ہے جن میں سیاح نے وہ صورتِ حال بیان کی ہے جو متعدد بار اس بحری سفر میں پیش آئی :-

و کل یوم نتوخی الغرقا   ولم نفارق قلقا و فرقا

واکثرالایام فی اجتماع — وفی البکاء والخوف والوداع

[ہم ہر روز ڈوبنے کے قریب ہوئے اور قلق واضطراب ہم سے جدا نہ ہوتا تھا۔ ہمارے زیادہ تر دن یا ہم آہ و بکا اور خوف و پریشانی میں گزرتے]

۱۰۔اس زمانے میں اصفہان کا شہر مرکزی حیثیت کا حامل تھا جہاں عربی زبان عروج پر تھی لوگ عربی میں عمدہ اشعار کہتے تھے ۔اس سے اس سیاح کو نہایت مسرت ہوئی اور اس نے بھی ان مجالس میں شرکت کی اور اشعار پڑھے ۔

سفرنامے کا اختتام

ایران میں گھومنے پھرنے کے بعد یہ سیاح عراق کے راستے شام کو واپس ہوا :

حتٰی وصلنا لدمشق الشام — والحمدللہ علی التمام

وقد مضت لہجرۃ اعوام — وجمعھا تاریخہ ختنام

(حتیٰ کہ ہم شام میں دمشق پہنچ گئے ۔ اس سفر کی تکمیل پر اللہ کی حمد کرتا ہوں ۔ یہ سفر سن ہجری کے حساب سے ہوا اور اس کی جمع و تدوین کی تاریخ "ختنام" ہے]

مجمع البحرین

یعنی شیعہ و سُنّی کی متفق علیہ روایات

مؤلفہ : محمد جعفر شاہ پھلواروی ——— تعارف و تبصرہ : علامہ جعفر حسین قبلہ

مجمع البحرین، وحدتِ امت کی طرف ایک اہم قدم ہے اور اہل اسلام کی ہزار سالہ تاریخ میں یہ اپنی نوعیت کی پہلی پیشکش ہے۔اس میں اسلام کی ان تعلیمات کو پیش کیا گیا ہے جن پر سنی اور شیعہ (اثنا عشری) دونوں متفق ہیں ۔

قیمت : چھ روپے

ملنے کا پتہ

ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور